قاری فیوض الرحمٰن

غازی عبدالقیوم شہید رحمتہ اللہ علیہ

اللہ کے رسول ﷺ کی محبت عین ایمان ہے مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جس شخص نے بھی ادنی گستاخی کی؛ اسے انہوں نے معاف نہیں کیا اور اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ لاہور کے ایک ہندو راجپال نے ایک گستاخانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھی تو اس وقت لاہور ہی کا ایک غیرت مند نوجوان غازی علم الدین آگے بڑھا اور اس ہندو کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا دیا۔ راجپال کو قتل کرنے کے ''جرم'' میں اس عاشق رسول ﷺ کو عدالت عالیہ سے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ اُس نے اللہ کے رسول ﷺ کی عزت و حرمت پر جان دے کر ابدی زندگی حاصل کر لی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غازی علم الدین شہیدؒ کی محبت اور زبانوں پر اس مردِ مجاہد کے تذکرے ہیں لیکن غازی عبدالقیوم کا کارنامہ عوام و خواص کی نظروں سے اوجھل ہے؛ ان کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آج کی اس نشست میں ہم ''غازی عبدالقیوم شہیدؒ'' کا تذکرہ کرتے ہیں۔

نام: عبدالقیوم خان

والد کا نام: عبداللہ خان

قوم: پٹھان

ساکن: غازی، ضلع ہزارہ

تاریخ پیدائش: 12-1911

ابتدائی زندگی و تعلیم

غازی عبدالقیوم خان کو بچپن ہی سے مذہبی تعلیم کا شوق تھا۔ چھٹی جماعت پاس کر کے گاؤں کے علمائے کرام سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اکثر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے۔ سکول چھوڑ کر قرآن مجید کی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے، صوم صلوٰۃ کی آخری وقت تک پوری پابندی کرتے رہے۔

1932ء میں ان کے والد عبداللہ خان انتقال کر گئے۔ ان کی چھ بہنیں تھیں۔ جو کہ اچھے گھرانوں میں بیاہی گئیں؛ ایک بھائی جو ان سے بڑے ہیں؛ ان کا نام ہمایوں خان ہے جو محکمہ امدادِ باہمی میں بحیثیت ہیڈ کلرک، سپرنٹنڈنٹ، ملازمت کر کے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

جب ان کی عمر 21۔22 سال کی ہوئی تو ۱۹۳۴ء میں ان کی شادی کر دی گئی۔ شادی کے چند ماہ بعد ان کو کراچی جانے کا شوق پیدا ہوا؛ وجہ یہ تھی کہ ان کے حقیقی چچا رحمت اللہ خان وہاں پہلے سے مقیم تھے اور وکٹوریہ گاڑیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ چنانچہ یہ کراچی چلے گئے

اور اپنے چچا کے ہاں ٹھہرے، وہاں بھی ان کا زیادہ تر وقت صدر کی مسجد میں تلاوت قرآن، ذکر اللہ اور نوافل وغیرہ میں گزرتا تھا۔ اسی دوران انہوں نے مسجد میں چسپاں ایک اشتہار پڑھا، واقعات پڑھ کر ان کو جوش آ گیا، دوسرے ہی دن بازار سے ایک چاقو خریدا اور نتھو رام ہندو کی آئندہ پیشی کا انتظار کرنے لگے۔

نتھو رام بدانجام کا حشر

''روزگارِ فقیر'' کے مؤلف فقیر سید وحید الدین صاحب اس واقعہ کی پوری تفصیل ان الفاظ میں لکھتے ہیں: یہ 1933ء کے اوائل کا ذکر ہے، جب سندھ صوبہ بمبئی میں شامل تھا، ان دنوں آریہ سماج حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھو رام نے ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام کی ایک کتاب شائع کی، جس میں آقائے دو جہاں، سرکارِ دو عالم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا گیا، مسلمانوں میں اس کتاب کی اشاعت کے سبب بڑا اضطراب پیدا ہوا، جس سے متاثر ہو کر انگریزی حکومت نے کتاب کو ضبط کیا اور نتھو رام پر عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، جہاں اس پر معمولی سا جرمانہ ہوا اور ایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔ عدل و انصاف کی اس نرمی نے نتھو رام کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے وی ایم فیرس جوڈیشنل کمشنر کے یہاں ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ کمشنر کی عدالت نے اس گندہ دہن، شاتمِ رسول کی ضمانت منظور کر لی۔ اس سے مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بہت مضطرب اور فکرمند تھے کہ توہینِ رسول ﷺ کے اس فتنے کا سدِ باب آخر کس طرح کیا جائے۔ ہزارے کا رہنے والا عبدالقیوم نام کا ایک نوجوان تھا جو کراچی میں وکٹوریہ گاڑی چلاتا تھا۔ جونا مارکیٹ کی کسی مسجد میں اس نے اس واقعہ کی تفصیل سنی اور یہ معلوم کر کے کہ ایک ہندو نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی توہین کی ہے، اس کے غم و اضطراب اور اندوہ و ملال کی کوئی حد نہ رہی۔ ستمبر 1934ء کا واقعہ ہے کہ مقدمہ اہانتِ رسول کے ملزم نتھو رام کی اپیل کراچی کی عدالت میں سنی جا رہی تھی، عدالت دو انگریز ججوں کے بنچ پر مشتمل تھی۔ عدالت کا کمرہ وکیلوں اور شہریوں سے بھرا ہوا تھا۔ غازی عبدالقیوم نہایت اطمینان کے ساتھ دوسرے تماشائیوں کے ساتھ وکلاء کی قطار کے پیچھے نتھو رام کی برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ عین مقدمے کی سماعت کے دوران وہ اپنا تیز دھار چاقو لے کر نتھو رام پر ٹوٹ پڑا اور اس کی گردن پر دو بھرپور وار کئے۔ نتھو رام چاقو کے زخم کھا کر زور سے چیخا اور زمین پر لڑکھڑا کر گر پڑا۔ غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اور فرار ہونے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔ اس نے نہایت خوشی کے ساتھ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ انگریز جج نے ڈائس سے اتر کر اس سے پوچھا: تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟ غازی عبدالقیوم نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تصویر تمہارے بادشاہ کی ہے کیا تم اپنے بادشاہ کی توہین کرنے والے کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دو گے؟ اس ہندو نے میرے آقا اور شہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے جسے میری غیرت برداشت نہیں کر سکی۔

غازی عبدالقیوم خان پر مقدمہ چلا۔ اس نے اقبالِ جرم کیا۔ آخر کار سیشن جج نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا۔ غازی عبدالقیوم نے فیصلہ سن کر کہا:

''جج صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی۔ یہ ایک جان کس گنتی میں ہے، اگر میرے پاس ایک لاکھ جانیں بھی ہوتیں، تو ناموسِ رسول ﷺ پر نچھاور کر دیتا۔'' اس فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ دیندار مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ غازی عبدالقیوم کا قانونی دفاع کرنے کے لیے سامنے آ گیا۔ سید محمد اسلم بار ایٹ لاء کو عبدالقیوم کی پیروی کی سعادت حاصل ہوئی، لیکن اس مردِ مجاہد (عبدالقیوم) نے پہلی ہی ملاقات میں اپنے قانونی مشیر پر واضح کر دیا کہ میں نے ماتحت عدالت میں جو اقبالی بیان دیا ہے اس کے خلاف کچھ کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کروں گا۔ سید محمد اسلم نے مقدمے کی تیاری جاری رکھی اور شہادتوں کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ

،مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے ملک کے ممتاز علماء کو بطور گواہ طلب کرانے کی درخواست کی تاکہ وہ اسلامی نقطۂ نظر واضح کر سکیں، لیکن عدالت نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ مقدمہ صفائی کی ساری بنیاد اس نکتے پر رکھی گئی تھی کہ: ''یہ ایک مسلمان کا ایمان وعقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ناموس رسول ﷺ پر حملہ کرے، تو وہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔''

اپیل کی سماعت جسٹس داد یابامہتہ (Dadiba Mehta) اور نو ارکانِ جیوری کے سامنے شروع ہوئی۔ جیوری چھ انگریزوں، دو پارسیوں اور ایک گوانی عیسائی ممبر پر مشتمل تھی۔ عدالت کے باہر کم وبیش پچیس ہزار مسلمانوں کا ایک بڑا ہجوم فیصلے کا منتظر تھا۔ ایڈووکیٹ جنرل کے دلائل کے بعد غازی عبدالقیوم کے پیروکار سید محمد اسلم نے صفائی کا مؤقف پیش کیا۔ انہوں نے مقدمے کے بنیادی نکات اور اقدامِ قتل کے محرمات پر تین گھنٹے تک مدلل بحث کی۔ ان کی تقریر کے بعض حصّے اس قدر اہم تھے کہ انہیں قانون وانصاف کی تاریخ میں ہمیشہ زریں حروف میں لکھا جائے گا۔

انہوں نے ''اشتعال'' کے قانونی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے یہ نکتہ پیش کیا: ''سوال یہ نہیں ہے کہ عبدالقیوم کا اقدام ملک کے قانون کے خلاف ہے۔ سوال یہ کہ عبدالقیوم نے یہ اقدام انتہائی اشتعال کے عالم میں کیا ہے، تو کیوں نہ اسے وہ کم سے کم سزا دی جائے جس کی اجازت دفعہ 302 کے تحت قانون نے دے رکھی ہے۔ اگر موجودہ قانون زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے یا کسی عورت کے معاملے میں قاتل کو ''اشتعال'' کی رعایت دیتا ہے تو رعایت کا یہ اصول عبدالقیوم کے مقدمے میں کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ جب کہ ایک مسلمان کے لئے ناموسِ رسول ﷺ پر حملے سے زیادہ اور کوئی اشتعال انگیزی نہیں ہو سکتی۔'' وکیل کی تقریر کے دوران جج نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ کیا آپ کے اس اظہار خیال سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ نہیں ہوگا؟ سید محمد اسلم نے اس موقع پر جواب دیا: ''جناب والا! مسلمان، حکومت اور ہندو اکثریت کو سمجھاتے سمجھاتے تھک گئے ہیں کہ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس بارے میں مسلمانوں کے جذبات کیا ہیں، مگر ان دونوں نے ذرا توجہ نہیں دی۔ اب مجھے عدالت میں یہ واضح کرنے کا موقع مل رہا ہے کہ جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے، وہ ناموسِ رسول ﷺ کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور قوت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس معاملے میں مسلمان کو تعزیراتِ ہند کی پرواہ ہے، نہ پھانسی کے پھندے کی۔'' غازی عبدالقیوم کے پیروکار سید محمد اسلم نے اقدامِ قتل کے لیے اشتعال کے مفہوم کی اہمیت پر جو قانونی نکتہ پیش کیا تھا، اگر وہ تسلیم کر لیا جاتا تو ناموسِ رسالت ﷺ پر حملہ کرنے کی مذموم تحریک ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی اور آئندہ کوئی اس جسارت کا تصور بھی نہ کر سکتا۔ لیکن عدالت عالیہ نے یہ اپیل خارج کر دی۔ غازی عبدالقیوم کے لئے سزائے موت بحال رہی۔ پُر جوش اور مضطرب مسلمانوں نے ایک وفد حکیم الامت علامہ محمد اقبال کی خدمت میں لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ وفد جس میں مولوی ثناء اللہ، عبدالخالق اور حاجی عبدالعزیز شامل تھے، لاہور پہنچا اور میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مقدمے کی روداد تفصیل کے ساتھ سنائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ آپ وائسرائے سے ملاقات کریں۔ اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لائیں اور انہیں اس پر آمادہ کریں کہ غازی عبدالقیوم کی سزائے موت، عمر قید میں بدل دی جائے۔ وفد نے اصرار کے ساتھ کہا کہ آپ نے سعی وتوجہ فرمائی، تو پوری توقع ہے کہ غازی عبدالقیوم کی جانب سے رحم کی اپیل، حکومت ہند ضرور منظور کر لے گی۔''

رحم کی اپیل پر علامہ اقبال کا جواب

علامہ، وفد کی یہ گفتگو سن کر دس بارہ منٹ تک بالکل خاموش رہے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وفد کے ارکان منتظر اور مضطرب تھے کہ دیکھیے علامہ کیا فرماتے ہیں۔ توقع یہی تھی کہ جواب اثبات میں ملے گا کہ ایک عاشق رسول ﷺ کا معاملہ دوسرے عاشق رسول

ﷺ کے سامنے پیش ہے۔ اس سکوت کو پھر علامہ اقبال ہی کی آواز نے توڑا۔ انہوں نے فرمایا: ''کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟'' ارکانِ وفد نے کہا: ''نہیں اس نے ہر عدالت میں اپنے اقدام کا اقبال اور اعتراف کیا ہے۔ اس نے نہ تو بیان تبدیل کیا اور نہ لاگ لپیٹ اور ایچ پیچ کی کوئی بات کہی۔ وہ تو کھلے خزانے کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے۔ مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو'' وفد کی اس گفتگو کو سن کر علامہ کا چہرہ تمتما گیا انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا: ''جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے' تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں' جو زندہ رہا تو غازی ہے اور گیا تو شہید ہے۔'' علامہ کے لہجے میں اس قدر تیزی تھی کہ وفد کے ارکان اس سلسلے میں پھر کچھ اور کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ وفد کراچی واپس ہو گیا۔

غازی عبدالقیوم کو جس دن پھانسی دی گئی۔ کراچی کی تاریخ میں وہ دن مسلمانوں کے جوش و اضطراب کا یادگار دن تھا۔ دلوں میں یہ جذبہ موجزن تھا کہ کاش' یہ شہادت ہمیں میسر آتی۔

لاہور میں غازی علم الدین اور کراچی میں غازی عبدالقیوم کے ان واقعات کا علامہ اقبال نے بہت زیادہ اثر قبول کیا تھا اور اپنے اس قلبی تاثر کو تین شعروں میں بیان فرما دیا۔ یہ اشعار ''لاہور اور کراچی'' کے عنوان سے ''ضربِ کلیم'' میں شائع ہو چکے ہیں مگر غازی عبدالقیوم کے لئے رحم کی درخواست کے اس واقعہ کی روشنی میں ان اشعار کا مفہوم کچھ اور زیادہ ابھرتا ہے:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور — موت کیا شے ہے؟ فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ — قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ! اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں — حرف لاتدع مع اللہ الٰھاً آخر

لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے وقتِ جنازہ جلوس نکالے۔ لاکھوں نے ان کے نماز جنازہ میں شرکت کی' ناموسِ رسول ﷺ پر اپنی جان نچھاور کرنے والے اس شہید کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ میوہ شاہ کے علاقہ قبرستان میں ایک خاص چار دیواری کے اندر دفن کیا گیا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

غازی عبدالقیوم کا خاندان

ان کے بڑے بھائی کے لڑکے محمد سعید واہ فیکٹری میں ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ غازی عبدالقیوم کے ایک بھانجے پاکستان آرمی میں میجر ہیں جبکہ ایک دوسرے بھانجے لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر حق نواز خان حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں اور اب غازی میں پریکٹس کرتے ہیں' ماشاء اللہ بڑے دین دار' صوم صلوٰۃ کے پابند اور متشرع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہمارے اوپر بھی رحم فرمائے' ہمیں بھی غازی عبدالقیوم خان شہیدؒ کی طرح ناموسِ رسالت ﷺ پر مر مٹنے والا بنائے۔'' آمین یا الٰہ العالمین''

☆☆☆